کوئی حق حاصل نہیں ہے نیز اُس کی تمام دولت کا مالک اس کا شوہر ہے۔

چھٹی فصل کا عنوان ہے: یہود تاریکی میں۔ اس فصل کے بعض ذیلی عنوانات یہ ہیں: یہودیوں کی فتنہ سامانی، جاسوسی و سراغرسانی، سازش و قتل، خفیہ ٹولیاں۔

اس فصل کے شروع میں مصنف نے لکھا ہے کہ: یہودیوں نے اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے جو ظاہری کوششیں کی ہیں ان سے بہت زیادہ سرگرمی انھوں نے زیرپردہ جاری رکھی ہے، انھوں نے اس راہ میں قتل و غارت، بدعہدی و بے وفائی اور بغاوت و جاسوسی وغیرہ سے بھی کام لیا ہے' یہودیوں نے اپنی مقصد برآری کے لئے بہت سی خفیہ جماعتیں قایم کر رکھی ہیں، بسا اوقات ایسا بھی ہوا ہے کہ دوسری جماعتوں کو ورغلا کر انھوں نے اپنے مقاصد حاصل کئے ہیں۔ اسلام اور مسیحیت کی مخالفت میں جتنی جماعتیں قایم ہوئیں ان تمام میں یہودیوں کا ہاتھ ہے، قرامطہ اور غالی شیعہ بھی یہودیوں کا شکار ہوتے ہیں، مصنف نے یہودیوں کی حمایت میں کام کرنے والی جماعتوں میں سے مندرجہ ذیل جماعتوں کا نام لیا ہے: ماسونیت، بابیت، بہائیت۔

مصنف نے کتاب کے خاتمہ پر لکھا ہے کہ: "اسلام دشمن سامراج اسلام کی ترقی کو روکنے کے لئے مختلف وسائل اختیار کرتا ہے، اس سلسلہ میں وہ کبھی بدھ مذہب کا سہارا لیتا ہے کبھی مسیحیت کا اور کبھی یہودیت کا۔ اس کتاب سے تشنگان علوم و معارف کو بہت سی باتیں معلوم ہو جائیں گی اور وہ حق و باطل میں اچھی طرح امتیاز کر سکیں گے"۔

اس کتاب کے مطالعہ سے ہر منصف مزاج آدمی اس نتیجہ پر پہونچنے کے لئے مجبور ہوگا کہ یہودی صرف عربوں ہی کے دشمن نہیں ہیں بلکہ انھیں پوری انسانی آبادی سے بغض و عداوت ہے۔

مصنف نے کتاب میں مختلف جغرافیائی نقشے بھی شامل کئے ہیں جن سے کتاب کی افادیت میں کافی اضافہ ہو گیا ہے۔

حیاتِ عُرفی شیرازی کا ایک تنقیدی مطالعہ

از جناب ڈاکٹر محمد ولی الحق صاحب انصاری بی، اے، آنرز
ایم، اے، ایل، ایل، بی، پی، ایچ، ڈی لکچرر لکھنؤ یونیورسٹی

(۵)

عُرفی کے دکن چھوڑ کر شمالی ہند آنے کے کئی وجوہ تھے۔ اوّل تو جیسا کہ امین احمد رازی کا خیال ہے، احمد نگر میں جیسی اس کی قدر دانی ہونا چاہیئے تھی ویسی نہ ہوئی۔ یہ عہد وہ تھا جب کہ احمد نگر حکمران مرتضیٰ نظام شاہ (از ۹۷۲ھ تا ۹۹۶ھ) اپنا دماغی توازن کھو چکا تھا اور اہل احمد نگر میں ہر سے آنے والوں کے خلاف جذبات پیدا ہونا شروع ہو گئے تھے۔ ان حالات میں عُرفی کو احمد نگر ں اپنا مستقبل تاریک نظر آنا فطری تھا۔ دوسرے یہ کہ، جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے، فتح اللہ شیرازی ی احمد نگر چھوڑ کر فتح پور سیکری جا چکے تھے۔ تیسرے یہ کہ اس عہد میں دکن کے مقابلے میں شمالی ہند ں اہلِ فن کی قدر دانی بہت زیادہ تھی اور عُرفی کو وہاں اپنا مستقبل درخشاں نظر آتا تھا۔ ان الات میں عُرفی نے احمد نگر چھوڑ کر شمالی ہند میں قسمت آزمائی کرنا طے کیا اور ۱۹ ربیع الاول ۹۹۳ھ (مطابق ۱۰ مارچ ۱۵۸۵ء) کو وہ فتح پور سیکری پہنچ چکا تھا۔

عُرفی کے شمالی ہند میں آنے کے متعلق اس کے معاصر تذکرہ نگاروں میں تقی الدین کاشی، بدالقادر بدایونی، اور عبدالباقی نہاوندی کے بیانات میں اختلاف ہے۔ تقی کاشی کے بیان کے طابق عُرفی ایران سے ہندوستان آنے کے بعد احمد نگر میں مقیم ہوا اور دکن سے سیدھا لاہور آیا اور

وہاں ہی مقیم ہو گیا۔ اس ضمن میں تقی کاشی کا بیان حسب ذیل ہے[1]: "اما مولانا عرفی چوں از دکن بطرف لاہور شتافت و دراں جاعزت بیش از وصف یافتہ رحل اقامت انداخت۔۔۔۔۔"
لیکن اس کے برخلاف عبدالقادر کا بیان ہے کہ عرفی پہلے فتح پور سیکری آیا اور فیضی کا مہمان ہوا جیسا کہ ان کی حسب ذیل عبارت سے ظاہر ہے[2]: "اول کہ از ولایت بہ فتح پور رسید مشتر از ہمہ بہ شیخ فیضی آشنا شدہ والحق شیخ ہم با او خوب پیش آمد۔۔۔۔۔" عبدالباقی نے اگرچہ عرفی کے فتح پور آنے کے متعلق نہیں لکھا ہے لیکن اس کے تصنیف کردہ دیباچہ کلیات عرفی سے یہ بات صاف ہے کہ خان خاناں کے دربار میں پہنچنے سے قبل وہ ابوالفتح گیلانی کے دربار میں پہنچا اور اسی دوران میں خود شیخ فیضی اس کی طرف ملتفت ہوا عبدالباقی نہاوندی کی عبارت حسب ذیل ہے[3]:

"چند روز قبل ازاں کہ خود را بداں دارالعیار رساند بہ خدمت علامہ زمان و افضل فضلائے دوراں نواب غفراں پناہ رضوان جایگاہ جنت آرامگاہ حکیم ابوالفتح گیلانی کہ از مقربان بادشاہ ظل اللہ جلال الدین محمد اکبر بادشاہ ہندوستان بود رسانید۔۔۔۔۔ و شیخ ابوالفیض فیضی کہ از باریافتگان بادشاہ و ملک الشعرا آن زمان بود و بہ شہرت استادی بادشاہ زادگان کامگار۔۔۔۔۔ مشرف بود۔۔۔۔۔ بہ صحبت او میل پیدا کرد و طرز و روش تازہ کہ اختراع او بود استماع نمودہ پسندیدہ داشت و سنجیدہ دانست۔۔"

عرفی کے ایک چوتھے معاصر تقی اوحدی نے اگرچہ اس سلسلے میں کوئی صاف بات نہیں کہی لیکن عرفات العاشقین کے حسب ذیل جملہ سے پتہ چلتا ہے کہ عرفی نے فیضی کی صحبت سے فائدہ اٹھایا تھا[4]:

---

[1] خلاصۃ الاشعار (مخطوطہ آزاد لائبریری، علی گڈھ) ذکر مولانا عرفی
[2] منتخب التواریخ، جلد سوم (مطبوعہ کلکتہ)، صفحہ ۲۸۵
[3] دیباچہ کلیات عرفی، زیر طبع در اسلامک کلچر برائے جولائی ۱۹۶۶ء
[4] عرفات العاشقین (مخطوطہ بانکی پور) عـ

«به فیض صحبت شیخ فیضی و فتوح خدمت حکیم ابوالفتح و شرف خدمت شاه جلال الدین اکبر و مداحی و ملازمت شاه نورالدین جهانگیر ابن اکبر که در بدایت ملقب به شاهزاده سلیم بود رتبه کمال و عظمت جلال موفور نموده به شهرت بیش از قیاس در رسید ....»

ظاہر ہے کہ یہ فیض جو اسے فیضی سے حاصل ہوا ابوالفتح کے دربار میں پہنچنے سے قبل ہی حاصل ہوا ہوگا جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ابوالفتح کے دربار سے وابستہ ہونے سے قبل وہ فیضی کی صحبت میں رہا اور یہ اسی وقت ممکن تھا جب وہ احمد نگر سے سیدھا فتح پور آتا۔ ان سب تذکرہ نگاروں سے بڑھ کر خود فیضی نے اپنے ایک خط میں عرفی کے احمد نگر سے فتح پور سیکری آنے کے متعلق حسب ذیل جملہ تحریر کیا ہے[1]:

«از یاران دمساز و غم خواران ہمراز که دل از صحبت وے آب می خورد مولانا عرفی شیرازیست که درین نوروز به قدوم خود بر خاک نشینان این دیار منت نهاده اند....»

عبدالقادر بدایونی، عبدالباقی نہاوندی، تقی اوحدی اور فیضی کے مندرجہ بالا بیانات سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ عرفی دکن سے فتح پور سیکری آیا نہ کہ لاہور جیسا کہ تقی کاشی نے بیان کیا ہے۔ اب دوسرا سوال یہ ہے کہ فتح پور سیکری آنے کے بعد اس نے کس کی سرپرستی قبول کی۔ مندرجہ بالا عبارتوں سے ظاہر ہے کہ عبدالقادر بدایونی کے بیان کے مطابق وہ سب سے پہلے فتح پور سیکری میں ابوالفیض فیضی سے آشنا ہوا لیکن عبدالباقی نہاوندی کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ شمالی ہند میں آنے کے بعد ہی حکیم ابوالفتح کے دربار سے وابستہ ہوگیا اور فیضی نے خود اس کی طرف التفات کیا۔ تقی اوحدی کے بیان سے بھی یہی پتہ چلتا ہے کہ عرفی نے فیضی کی صحبت سے فیض حاصل کیا۔ عرفی کے کلام سے اس بارہ میں کچھ معلومات فراہم نہیں ہوتیں۔ عبدالقادر بدایونی نے خود عرفی کو دیکھا تھا اور عرفی کے فتح پور سیکری کے دوران قیام میں غالباً ملا بدایونی خود بھی فتح پور سیکری ہی میں تھے۔ اس لئے عرفی کے سب سے پہلے فیضی سے متعارف ہونے کے بارے میں ان کا بیان عبدالباقی نہاوندی کے بیان سے زیادہ قابل قبول ہے اور فیضی کے تذکرہ بالا خط سے بھی یہ صاف ظاہر ہے فتح پور سیکری میں آنے کے چند روز کے بعد ہی عرفی کی فیضی سے ملاقات

[1] بحوالہ شعرالعجم، جلد سوم، صفحہ ۹۰

ہوگئی تھی ۔ خود عرفی نے ابوالفتح کی شان میں متعدد قصیدے کہے لیکن اس کے برخلاف فیضی کی شان میں اس نے ایک مصرع بھی نہیں کہا ۔ اس سے یہ بات بھی صاف ہو جاتی ہے کہ اگرچہ دکن سے شمالی ہند آنے کے بعد اولاً وہ فیضی سے ملا اور اسی کے یہاں مقیم ہوا لیکن یہ ملاقات محض دوہم رتبہ شاعروں اور دوستوں کی ملاقات تھی جس کے دوران ہنسی مذاق تک ہوا کرتا تھا[1] اور جس کے نتیجہ میں ان دونوں میں آپس میں رنجش و ناچاقی بھی پیدا ہوگئی ورنہ حقیقتاً ایک درباری کی حیثیت سے سب سے پہلے عرفی، ابوالفتح گیلانی سے ملا جیسا کہ عبدالباقی کے بیان سے ظاہر ہے ۔

فتح پور سیکری میں عرفی اور فیضی کے تعلقات زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہ سکے اور ان کے تعلقات کی کشیدگی کے بارے میں مختلف تذکرہ نگاروں نے مختلف باتیں لکھی ہیں ۔ ملا عبدالقادر بدایونی عرفی و فیضی کے درمیان کشیدگی کے سلسلہ میں فیضی کو مورد الزام قرار دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ[2] :

"آخر بنا بر وضع قدیم شیخ کہ بہ ہر کس ہفتہ دوست بود درمیانہ شکر آبہا افتاد..."

لیکن ساتھ ہی ساتھ ایک ایسا قصہ بھی تحریر کرتے ہیں کہ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ناگوار صورت پیدا ہونے کا ذمہ دار کافی حد تک خود عرفی بھی تھا ۔ ان کی عبارت ہے[3] :

"روزے بخانہ شیخ فیضی آمد ۔ چوں سگ بچہ را با شیخ مخلوط دید پرسید کہ این مخدوم زادہ را چہ نام است ۔ شیخ گفت عرفی ۔ او در بدیہہ گفت مبارک باشد و شیخ بسیار درہم برہم شد"

[1] خلاصۃ الاشعار میں تقی کاشی کا اس ضمن میں حسب ذیل جملہ ملاحظہ ہو
"جماعتے کہ وے را دیدہ اند و بہ صحبت او رسیدہ بگویند مردے خوش طبع و ظرافت دوست بود . . .
. . . و لطیفے کہ میان او و شعراء دیار ہند خصوصاً شیخ ابوالفیض فیضی و دیگر کسان گزشتہ درمیان خوش طبعان مشہور است"
اس قسم کے کچھ لطیفے بعد کے تذکرہ نگاروں مثلاً احمد علی ہاشمی سندیلوی (صاحب مخزن الغرائب)، صادق ہمدانی (صاحب طبقات شاہجہانی) قدرت اللہ گوپاموی (صاحب نتائج الافکار) حسین دوست (صاحب تذکرہ حسینی) حسین قلی خان عاشقی (صاحب نشتر عشق) فضل علی خاں (صاحب بستان بےخزاں)، محمد ہاشم خافی خان (صاحب منتخب اللباب)، محمد علی تبریزی (صاحب ریحانۃ الادب) وغیرہ نے اپنے تذکروں میں تحریر کئے ہیں ۔

[2] منتخب التواریخ، جلد سوم، صفحہ ۲۸۵ [3] مراۃ الخیال (مطبوعہ)، صفحہ ۸۱

ملا بدایونی کے علاوہ ہم عصر تذکرہ نگاروں میں سے کسی نے بھی عرفی اور فیضی کے تعلقات پر روشنی نہیں ڈالی ہے۔ بعد کے تذکرہ نگاروں نے عموماً ملا بدایونی کی عبارت نقل کی ہے لیکن ان میں سے بعضوں نے زیبِ داستان کے لئے اپنی طرف سے بھی بہت کچھ اضافہ کر دیا ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں شیر خاں لودی کہتے ہیں کہ[1]:

"چوں این ہا می خواستند کہ اہلِ استعداد پیش آیند و مذہب تشیعش معلوم بود بہ ارادہ آنکہ اورا در نظر بادشاہ خفیف سازند در اول روز ملازمت ابوالفضل از و پرسید کہ در مذہب شما زاغ حلال است یا حرام۔ عرفی جواب نداد۔ بعد از لمحہ فیضی پرسید کہ در مذہبِ شما خوک حلال ست یا حرام۔ عرفی جواب نداد و باز تغافل کرد۔ دریں حال بادشاہ متوجہ شد و فرمود کہ چرا جواب نمی دہی۔ گفت جواب این مسئلہ بدیہی ست کہ ہر کس می داند کہ ہر دو گوشت می خورند۔ یعنی زاغ و خوک و خلاصہ اشارہ بہ جانب ہر دو برادران باشد ....."

میر غلام علی آزاد (صاحب خزانہ عامرہ) اور صادق ہمدانی (صاحب طبقات شاہجہانی) کی عبارت بھی منتخب التواریخ پر مبنی ہیں لیکن ان دونوں نے ملا صاحب کا متذکرہ بالا جملہ "آخر بنا بر وضع قدیم شیخ کہ بہ ہر کس ہفتہ دوست بود در میانہ شکر آبہا افتاد" حذف کر دیا ہے۔ احمد علی ہاشمی (صاحب مخزن الغرائب) نے عرفی و فیضی کے تعلقات کے سلسلہ میں شیر خاں لودی کی داستان دہرائی ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ بھی لکھتے ہیں کہ[2]:

"و لیکن نزدِ ایں حقیر ایں نقل معقول نمی نماید چرا کہ پیش چنیں بادشاہ صاحبِ سطوت و ہیبت کرا طاقت و مجال باشد کہ چنیں حرف واہی و رکیک کہ بعید از دست بر زبان آورد۔ اغلب کہ ایں تصنیف از ظرفا باشد۔"

---

[1] مراۃ الخیال، (مطبوعہ) صفحہ ۸۱

[2] مخزن الغرائب (مخطوطہ دار المصنفین اعظم گڈھ) ورق ۲۷۲

احمد علی صاحب ہاشمی نے ملا بدایونی کا بیان کردہ قصہ بھی دہرایا ہے لیکن اس سلسلہ میں انھوں نے اپنی طرف سے بھی اضافہ کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں[1]:

"اما بارہا مطائبات درمیان عرفی و فیضی واقع شد۔ چنانچہ روزے مولانا عرفی بہ جہت دیدن شیخ فیضی رفت۔ دید کہ سگ ..... اوراق قرآن مجید را کہ دران روزہا تفسیر می کرد پامال می سازند۔ پرسید کہ نام صاحبزادگان چیست۔ گفت عرفی۔ گفت مبارک باشد۔ تا نام پدر فیضی مبارک بود۔"

حسین دوست نے بھی اپنے تذکرہ حسینی میں شیر خاں لودی اور ملا بدایونی کی بیان کردہ داستانیں دہرائی ہیں۔ حسین قلی خاں عاشقی اپنے تذکرہ نشتر عشق میں ملا بدایونی کی روایت دہرانے کے بعد لکھتے ہیں[2] کہ:

"پس ازاں بہ زمرہ منشیان سلطان درآمد و رفتہ رفتہ بہ تقریب بادشاہی آن چنان رسید کہ محسود ابو الفیض فیضی و ابو الفضل گردید۔۔۔"

اور اس کے بعد انھوں نے شیر خاں لودی کی روایت کردہ داستان اس حسد کے سلسلہ میں بیان کی ہے۔ ابو الفتح سلطان محمد صفوی اپنے تذکرہ کاتب میں عرفی و فیضی کے تعلقات کے بارے میں خاموش ہیں لیکن وہ فیضی کو عرفی کی موت کا ذمہ دار قرار دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں[3]:

"و فیضی آن بزرگوار را از راہ حسد مسموم نمودہ"

کاتب ہی کی طرح محمد ہاشم خافی خاں بھی فیضی کو عرفی کی موت کا ذمہ دار قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں[4] کہ

"آنچہ مشہور است کہ فیضی و ابو الفضل در عالم ہم چشمی حسد بردہ او را مسموم ساختند"

انھوں نے بھی فیضی اور عرفی کے تعلقات کے سلسلہ میں ملا بدایونی کی بیان کردہ کتوں والی روایت دہرائی ہے اور ساتھ ہی ساتھ ایک دوسرا قصہ بھی بیان کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ طنزیہ

---

[1] مخزن الغرائب (مخطوطہ مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ) ورق ۲۷۵
[2] نشتر عشق (مخطوطہ رضا لائبریری، رامپور) ذکر عرفی شیرازی
[3] تذکرہ کاتب (مخطوطہ رضا لائبریری، رامپور) صفحہ ۱۱۷
[4] منتخب اللباب، جلد اول (کلکتہ اڈیشن) صفحہ ۲۴۱

گفتگو میں عرفی خود بھی فیضی سے کم نہ تھا۔ خافی خان لکھتے ہیں کہ[۱]:

"گویند روزے عرفی وارد خانہ ابوالفضل گردید و ابوالفضل قلم در دست گرفتہ در تحریر دیباچہ قرآن کہ می خواست بلا نقط تصنیف نماید بہ بحر فکر فرو رفتہ بود۔ عرفی پرسید کہ مخدوم در چہ فکر آید۔ در جواب گفت کہ می خواہم کہ اسم پدر خود بے نقط ظاہر نمایم عرفی گفت حاجب فکر نیست۔ بہ زبان اصل خود مبارک بنویسید ..."

متذکرہ بالا تذکرہ نگاروں کے بیانات کے علاوہ خود عرفی کے ایک خط سے پتہ چلتا ہے کہ اگرچہ ابتداءً فیضی نے عرفی کی بے حد قدر دانی کی لیکن بعد کو ان دو شاعروں میں کچھ رنجش ضرور ہو گئی تھی اور آپس میں غلط فہمیاں دور کرنے کے لئے عرفی نے فیضی کو بطور معذرت یہ خط لکھا تھا[۲]۔ بہت ممکن ہے کہ کتے کے پلوں سے فیضی کی تفریح اور اس پر عرفی سے تکرار لفظی کا واقعہ جیسے بدایونی نے بیان کیا ہے اور دوسرے تذکرہ نگاروں نے دہرایا ہے صحیح ہو اور یہی واقعہ عرفی و فیضی کے مابین کشیدگی کا باعث بنا ہو لیکن صاحب مراۃ الخیال کی بیان کردہ داستان کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتی۔ اس لئے کہ فیضی و ابوالفضل کے ایسے وسیع المشرب انسان اس قسم کے لغو سوالات نہیں کر سکتے۔ اس سے بڑھ کر خود اکبر اس قسم کی مہمل باتوں کو برداشت نہ کرتا۔ افسوسناک بات ہے کہ محمد علی تبریزی نے یہ قصہ بیان کرنے کے ساتھ ساتھ ابوالفضل و فیضی پر تعصب مذہبی کا وہ الزام لگایا۔ غالباً آقا محمد علی ابوالفضل و فیضی کے مذہبی خیالات اور وسیع المشربی سے واقف نہ تھے ورنہ کم از کم وہ ان دونوں حضرات پر مذہبی تعصب کے اس الزام کی جسارت نہ کرتے[۳]۔ فیضی یا ابوالفضل یا دونوں کے عرفی کو زہر دلوانے کا واقعہ بھی یقیناً مہمل ہے اس لئے کہ اولاً تو یہ کہ عرفی کے ہم عصر یا عہد قریب ترین کے تذکرہ نگار عرفی کو زہر

[۱] منتخب اللباب، جلد اول، صفحہ ۳۰۰
[۲] مجموعہ انتخاب رقعات منتخبہ ملا غیاث الحسینی (بیاض نمبر ۱۶۷ - فن ۵۰) حبیب گنج کلکشن، آزاد لائبریری علی گڑھ، و بیاض نمبر $\frac{11}{109}$ ورق ۲۳ خدا بخش لائبریری، بانکی پور۔
[۳] ریحانۃ الادب (مطبوعہ در ۱۳۶۹ھ قمری) جلد سوم، صفحہ ۷۷

دئے جانے کے متعلق بالکل خاموش ہیں دوسرے یہ کہ فیضی جو ابتداءً عرفی کا سرپرست تھا (اس حد تک کہ کشن چند اخلاص اپنے تذکرہ ہمیشہ بہار میں فیضی ہی کو عرفی کے دربار اکبری میں پہنچنے کا ذریعہ قرار دیتے ہیں)[1] اسے عرفی سے حسد کرنے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ وہ پہلے ہی ملک الشعراء کے عہدہ پر ممتاز تھا اور ہر چھوٹے بڑے کی نظر میں اس کی انتہائی عزت و حرمت تھی وہ شاہزادہ سلیم کا اتالیق تھا، اکبر کا ذاتی دوست تھا اور ایران کے بڑے بڑے شاعر اس کی انتہائی تعظیم کرتے تھے دوسری طرف عرفی خود کسی عہدہ کا بھوکا نہ تھا اور ایسے لوگوں میں رہنا زیادہ پسند کرتا تھا جو اس کے قدردان ہوں شاہی دربار میں پہنچنے کی اس کی قطعاً آرزو نہ تھی اور اس کے واسطے ابوالفتح اور خان خانان کے سے قدردان کافی تھے۔ اگر اخلاص کا قول صحیح ہے تو اکبر کے اس سے تحقیر سے یہ پوچھنے پر کہ "عرفی ہمین است؟" اس کا جواب دینا کہ "بارہ ہمین است وتتمہ آن می آید" اور یہ رباعی پڑھنا کہ

عرفی گلہ سر مکن کہ جائے گلہ نیست — توفیق رفیق ہر تنک حوصلہ نیست
بر ہر سر گام یوسفے در ہر چاہ است — صاحب نظرے لیک درین قافلہ نیست

اور ساتھ ہی ساتھ شہنشاہ کے دیے ہوئے گھوڑے کی ہجو کرنا، یہ تمام باتیں ظاہر کرتی ہیں کہ اسے دربار شاہی سے کچھ حاصل کرنے کی تمنا قطعاً نہ تھی۔ اسے "صاحب نظر" کی ضرورت تھی اور وہ اسے ابوالفتح اور خان خاناں کی ہستیوں میں مل گئے تھے لیکن ان "صاحبان نظر" کو بھی وہ محض دوست محترم سمجھتا تھا جیسا کہ اس کے مندرجہ ذیل اشعار سے ظاہر ہے۔ حکیم ابوالفتح کو مخاطب کرتے ہوئے وہ کہتا ہے:

۱؎ ہمیشہ بہار، مخطوطہ بانکی پور، ورق ۲۴۳ پر اخلاص کی عبارت حسب ذیل ہے: گویند کہ ہر گاہ از شیراز بہ ہند آمد فیضی او را پیش اکبر بادشاہ برد۔ بادشاہ بطور تحقیر از زبان برآورد کہ عرفی ہمین است۔ فی الفور در جواب گفت بارہ ہمین است وتتمہ آن می آید۔ بادشاہ ازیں سخن حدت طبع او دریافتہ فرمود کہ از اشعار خود چیزے بخوان۔ عرفی این دو بیت خواند ؎

عرفی گلہ سر مکن کہ جائے گلہ نیست — توفیق رفیق ہر تنک حوصلہ نیست
بر ہر سر گام یوسفے در چاہ است
صاحب نظرے لیک درین قافلہ نیست

شکر طالع کند و چوں بنود شکر گزار — آں یک اندیشہ کہ چشمش بتو افتاد اول
صلہ نپذیرد و ایں حسن طلب نشماری — خود تو دانی کہ چہا کردہ بامید وامل
او کہ پروانہ قدر ست نسوزد زین نار — او کہ حامہ عرشست نیفتد بوحل
صلہ برہان گدائی و ستائش گری است — بر ثنا گسترت ایں آیہ مبادا منزل
انچہ دادی و دہی گرچہ بمعنی صلہ است — صلہ دوستیش باد نہ مدح و نہ غزل

درخان خاناں کی مدح کرتے ہوئے اسی بات کو وہ حسب ذیل اشعار میں اور صاف کر دیتا ہے:

من مدح گرم لیک نہ ہرجائی طامع — گردن نہ نہم منت ہر بذل و کرم را
یک منعم، یک نعمت، یک منت، یک شکر — صد شکر کہ تقدیر چنیں راند قلم را
گرجا طلبے آوازہ دہد ایں چہ ترانہ ست — حاجت ببر از پیش چہ بسیار و چہ کم را
گویم کہ بر و زاژ فحا باد بیما — ایں پایہ مسلم بنود حاتم و جم را
سلطان و گدا در طلب جامہ دنانند — تا باز نگیرند حسد را و شکم را

ن حالات میں عُرفی کے لئے کسی دنیاوی جاہ و منصب کے واسطے فیضی کا رقیب بن جانا یک مہمل سی بات ہے جہاں تک کہ بحیثیت ایک شاعر کے اس کے فیضی کے رقیب ہونے کا سوال ہے یا یہ کہ فیضی کے اس سے حسد کرنے کا سوال ہے یہ بات بھی مہمل ہے اس لئے کہ فیضی انتہائی دیانتداری سے عُرفی کی برتری کا معترف ہے جیسا کہ اس کے خط کی حسب ذیل عبارت سے ظاہر ہے[1]:

"بہ حق دوستی کہ ازیں عظیم تر سوگندے نمی داند کہ بہ بلندی و وفور قدرت و ایجاد معانی وچاشنی الفاظ و سرعت فکر و دقت نظر فقیر کسے راچوں او ندیدہ و نشنیدہ ..."

پھر فیضی کو عُرفی سے حسد کرنے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے، عُرفی کی شعلہ زبانی سے وہ نالاں ضرور تھا لیکن یہ بات ایسی نہ تھی کہ وہ عُرفی کی جان کے درپے ہو جاتا۔ تیسرے یہ کہ سازشوں میں حصہ لینا یا انتقامی کارروائی کرنا خود فیضی کی فطرت کے خلاف تھا۔ فیضی کا کردار اتنا بلند تھا کہ یہ جانتے ہوئے کہ ملا عبدالقادر

[1] بحوالہ شعر العجم، جلد سوم، صفحہ ۹۰۔

اس کے انتہائی دشمن ہیں پھر بھی جب ملا صاحب پر بُرا وقت پڑا تو فیضی ہی وہ تنہا شخص تھا جو اُن کے کام آیا اور جس نے تمام مخالفت کے باوجود ان کی سفارش اکبر سے کی۔ عُرفی کی فیضی سے مخالفت اگر کچھ تھی بھی تب بھی وہ ملا بدایونی کی مخالفت کی برابر تو یقیناً نہ تھی پھر جب فیضی ملا بدایونی کو نقصان پہنچانے کا تصور بھی نہیں کرتا تو عُرفی کو زہر دلوانا کیوں گوارا کرتا۔ عُرفی کے فیضی سے علیحدہ ہونے کی اصل وجہ کچھ تو ان کی طبیعتوں کا اختلاف ہے اور کچھ یہ کہ عُرفی کو اکبر کے دربار میں ایک دوسرا شخص ایسا مل گیا تھا جو نہ صرف اس کا ہم وطن تھا بلکہ جو عُرفی کے لئے استاد کے بھی فرائض انجام دیتا تھا اور یہ ذات حکیم ابوالفتح کی تھی جس کی فتح پور کی موجودگی میں عُرفی کا فیضی سے دور ہو کر اس سے قریب ہو جانا ایک فطری بات تھی یہ بات بھی حقیقت سے بعید ہے کہ عُرفی کے تعلقات فیضی سے بالکل ہی ختم ہو گئے تھے۔ عُرفی اکبر کی شمالی و مغربی صوبوں کی مہم کے وقت تک ابوالفتح اور فیضی دونوں کے ساتھ تھا اور اگر مولانا محمد حسین آزاد کے بیان پر بھروسہ کیا جائے تو عُرفی کے عالم نزع میں بھی فیضی اس کی عیادت کو گیا تھا اور حسب معمول اس وقت بھی ان میں نوک جھونک ہوئی تھی۔[1]

جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے عُرفی کے فتح پور سیکری آنے کے بعد ہی اس کے تعلقات حکیم ابوالفتح سے قائم ہو چکے تھے فیضی سے تعلقات کشیدہ ہونے کے بعد عُرفی پورے طور سے حکیم موصوف سے وابستہ ہو گیا تھا اور غالباً اسی زمانہ میں اُس نے لاہور میں بود و باش اختیار کر لی تھی۔ اکبر کی شمالی و مغربی صوبوں کی مہم کے درمیان وہ کشمیر بھی گیا تھا جس کی تعریف میں اس نے اپنا وہ

---

[1] نگارستان فارس، صفحہ ۹۷، پر مولانا آزاد رقمطراز ہیں: "فیضی جس وقت عیادت کو گیا وقت اخیر یعنی قریب الموت تھا لیس اس نظر سے کہ دیکھے کہ ہوش و حواس عُرفی کے قائم ہیں یا نہیں اس سے پوچھا "ما کیانیم" یعنی تم جانتے ہو ہم کون ہیں عُرفی نے اس وقت مسکرا کے کہا کہ "حالا مرغ روحم شوق پرواز دارد، رو بہ ماکیان نمی آرد"۔ مولانا آزاد سے قبل فضل علی خاں نے بھی بستان بے خزاں میں یہی لطیفہ لکھا ہے لیکن انھوں نے فیضی کا نام نہیں لیا ہے (ملاحظہ ہو بستان بے خزاں (مخطوطہ رضا لائبریری، رام پور) ذکر عرفی شیرازی

عرکۃ الآرا قصیدہ لکھا جس کا مطلع حسب ذیل ہے ؎

ہر سوختہ جانے کہ بہ کشمیر درآید گر مرغ کبابست دگر بال و پر آید

حکیم ابوالفتح کے عبدالرحیم خان خاناں سے بہت ہی گہرے مراسم تھے چنانچہ حکیم موصوف کے کہنے پر عُرفی نے خان خاناں کی مدح میں بھی قصیدہ کہا جس کا مطلع حسب ذیل ہے ؎

بیا کہ بادلم آں می کند پریشانی کہ غمزہ تو نکردست یا مسلمانی

اور بقول کشن چند اخلاص غالباً اس قصیدہ پر خانخاناں نے عُرفی کو ستر ہزار روپیہ انعام دیا۔ اس کے بعد ہی عُرفی کے خان خاناں سے مراسم دوستانہ قائم ہو گئے اور شمالی مغربی ہند کی مہم کے دوران حکیم ابوالفتح اور حکیم فتح اللہ شیرازی کے ۹۹۶ھ میں انتقال کے بعد عُرفی مستقلاً خان خاناں کے دربار سے وابستہ ہو گیا خان خاناں کے دربار میں صحیح معنی میں اس کی قدر ہوئی اور شیخ فرید بھکری (صاحب ذخیرۃ الخوانین) کے بقول[۱] خان خاناں مولانا عُرفی کو نادیدہ اس قدر دولت دیتا تھا کہ اسے کسی دوسرے در پر ناصیہ سائی کی ضرورت ہی نہ تھی۔ (ملا عُرفی را نادیدہ آں قدر زر ہر سال می فرستاد کہ محتاج بدرِ دیگر نبود") خان خاناں اگرچہ عُرفی کا ممدوح و آقا تھا لیکن ان دونوں کے تعلقات مخلص دوستوں کے تھے اور خان خاناں عُرفی کو "یار فطنت و دوست فطرت" کے القاب سے مخاطب کرتا تھا[۲] اور اس کے دربار میں عُرفی کی قدر و منزلت کی تصویر عبدالباقی نہاوندی نے حسب ذیل الفاظ میں کھینچی ہے[۳]!

"و در ایام مصاحبت و ملازمت ایشاں بدستورے معزز و مکرم بودہ کہ کورنش و تسلیم کہ در ہندوستان مقرر و معمول است کیا یا دشاہان و اکابر و اعیان می کنند ہیچ گاہ نمی کردہ و در مجالس بر ہمہ کس تقدیم می نمودہ و اہل زمان بہ جہت طبیعت عالی و ابیات متعالی تقدم او را قبول داشتند ....."

---

۱ ذخیرۃ الخوانین (مخطوطہ حبیب گنج کلکشن، آزاد لائبریری، علی گڑھ) ورق ۱۱

۲ بیاض نمبر ۱۱/۱۰۲، (مخطوطہ خدا بخش لائبریری، بانکی پور) صفحہ ۱۳۰، رقعہ خان خاناں، بہ ملا عُرفی

۳ دیباچہ کلیات عُرفی، زیر طبع

عرفی کی دربارِ اکبری میں رسائی اس کی عمر کے آخری ایام میں ۹۹۵ھ سے کچھ قبل ہوئی تھی اس لئے کہ سفر کشمیر جو اکبر نے جمادی الاولیٰ ۹۹۷ھ میں شروع کیا[1] اس سے کچھ ہی قبل عرفی کشمیر گیا تھا اور صنعت کشمیر میں کہے گئے اپنے قصیدہ میں وہ اکبر کے دربار کو یاد کرتے ہوئے کہتا ہے کہ ؎

چوں بوئے گل آید کنم از انجمنش یاد — تا نکہت گل مایہ صد درد سر آید

اور اس کے بعد خود اکبر کو مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہے کہ ؎

حکم تو اش آورد بہ کشمیر وگرنہ — کے از سرآں خاک بخاک دگر آید

خود عرفی کے اشعار میں پائے جانے والے ان اشاروں کے علاوہ کچھ تذکرہ نگاروں نے بھی اس سلسلہ میں روشنی ڈالی ہے جیسے کہ قدرت اللہ گوپاموی کی حسب ذیل عبارت سے ظاہر ہے[2]!

"بوسیلہ جمیلہ اش شرف مصاحبت عبدالرحیم خان خاناں دریافت و بصلات نمایاں ونوازشاتِ بیکراں مباہی گشت۔ امیر جوہر شناس کہ پیوستہ تعظیم و تکریمش منظوری داشت آناً فاناً اعتبارش ترقی گرفت و بازارِ سخن و شعر وے گرمی پذیرفت رفتہ رفتہ بہ سلک ملازمانِ خاص اکبری منسلک گردید و مورد عنایاتِ سلطانی گشت۔"

اور جس کی تصدیق حسین قلی خان عاشقی اپنی حسب ذیل عبارت میں کرتے ہیں[3]۔

"وصاحب ذخیرۃ الخواتین آوردہ کہ خان خاناں مولانا عرفی را نادیدہ آں قدر زر رعایت می کرد کہ محتاج بدر دیگر نبود۔ و پس ازاں بہ زمرہ منشیان سلطانی در آمد و رفتہ رفتہ بہ تقریب بادشاہی آں چناں رسید کہ محسود ابوالفیض فیضی و ابوالفضل فہامی (علامی ؟) گردید ...."

---

[1] درج النفائس (مخطوطہ رامپور) صفحہ ۶۷۸ (اس کتاب کے مصنف شیخ منور اس سفر میں اکبر کے ساتھ تھے) ابوالفضل کے بقول اکبر یکم شعبان (مطابق ۵ رجون ۱۵۸۹ء) کو سری نگر پہونچا (دیکھئے اکبرنامہ، انگریزی ترجمہ صفحہ ۸۳۲)

[2] نتائج الافکار، مخطوطہ سری رام کلکشن، ہندو یونیورسٹی بنارس، صفحہ ۲۸۹

[3] نشتر عشق، مخطوطہ رضا لائبریری، رام پور، ذکر عرفی شیرازی،

بیں کے متعلق مرزا محمد صادق (صاحب صبح صادق) رقمطراز ہیں کہ :

"..... ودر اواخر عمر در سلک ملازمان اکبر شاہی منخرط شد"

ں کی دربارِ اکبری میں رسائی کے متعلق کشن چند اخلاص کا بیان ہے کہ وہ فیضی کے توسط سے ہوئی ن، جیسا کہ اوپر مذکور ہو چکا ہے، عُرفی کی دربار شاہی میں رسائی کا زمانہ وہ تھا جب کہ اس ے تعلقات فیضی سے اچھے نہیں رہے تھے اس لئے یہ بات بعید از قیاس ہے وہ فیضی کے ذریعے سے شاہی دربار تک پہونچا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ جس زمانہ میں عرفی دربار شاہی ں پہونچا اس وقت تک اس کی شہرت اتنی عالمگیر ہو چکی تھی کہ اسے کسی بھی شاہی دربار میں (خواہ شاہزادہ سلیم کا ہو یا شہنشاہ اکبر کا) پہونچنے کے لئے کسی سفارش کی ضرورت ہی نہ تھی اور ین رازی نے اسی بات کی طرف حسب ذیل عبارت میں اشارہ کیا ہے[۱] :

"وچوں شجر اقبال حکیم مذبور بہ صرصرِ فنا برکندہ شد بہ سپہ سالار عبدالرحیم خان خاناں در استرضائے خاطرش کوشید و شہرتش بیش گشت و دراں اثنا احوالش مسموع باریافتگان حضرت شاہنشاہی گردید۔ در سلک بندگانِ خاص انتظام یافت ولیس از چند روز بہ مرض اسہال نقش حیاتش از صفحہ روزگار شستہ شد۔"

رفی دربارِ شاہی میں پہونچا اور اس شان سے کہ بقول شیر خاں لودی کے ابوالفضل اور فیضی تک کو خدشہ ہوا کہ کہیں اس کے آگے خود ان کا چراغ گل نہ ہو جائے اور وہ اس سے حسد کرنے پر مجبور ہو گئے لیکن عُرفی کا دربار شاہی سے یہ تعلق زیادہ عرصہ تک قایم نہ رہ سکا اور اس کی ناگہانی موت نے اسے درباداری کی قید سے نجات دلادی۔

---

[۱] ہفت اقلیم، الاقلیم الثالث، مخطوطہ ٹیگور لائبریری لکھنؤ، صفحہ ۱۴۹

عرفی کے کلیات میں پائے جانے والے قصائد سے پتہ چلتا ہے کہ اس کی رسائی شاہزادہ سلیم کے دربار میں بھی تھی لیکن عرفی اور شاہزادہ سلیم کے متعلق علی قلی خاں ' والہ ' عبدالرحمن شاہنواز خان اور ابو طالب تبریزی کے ایک ایک جملہ کے غلط معنی پہنا کر زمانہ حال کے چند محققین نے عرفی اور شاہزادہ سلیم کے مابین عشق کی ایک عجیب و غریب داستان اختراع فرمائی ہے[1] مگر حقیقت صرف اتنی ہے کہ ایران سے نادیدہ عاشق ہو کر ہندوستان آنا تو درکنار عرفی نے شاہزادہ سلیم کے دربار میں اس وقت تک جانا بھی گوارا نہ کیا جب تک کہ شاہزادے نے اسے خود نہ بلوایا اور خود اس سے قصیدہ کی فرمائش نہ کی جیسا کہ خود شاہزادہ سلیم کی مدح میں کہے ہوئے اس کے قصیدہ کے حسب ذیل اشعار سے ظاہر ہوتا ہے:

جہاں چنیں خوش و من خوشتر از جہاں یوثاق — نشستہ با خرد اندر تعلم و تعلیم
کہ ناگہاں ز درم در رسید مژدہ دہے — چنانکہ از چمن طالعم بمغز شمیم
چہ گفت گفت کہ اے مخزن جواہر قدس — چہ گفت گفت کہ اے مطلب بہشت نعیم
بیا کہ از گہرت یاد می کند دریا — بیا کہ تشنہ لبیت را طلب کند تسنیم
چو روزگار رسیدم بدر بگہے کہ کند — زمانہ طوف حریمش بدیدہ تعظیم
رموز کرنش و تسلیم را ادا کردم — بداب مردم دانا نہ بذلہ سنج ندیم
بخندہ گفت کہ در عذر ایں گناہ بزرگ — کہ رفتہ نام تو بے حکم ما بہفت اقلیم
ہمیں کہ رفتی از آستان نوشتہ بیار — گزیدہ نسخہ از زادہائے طبع سلیم

---

[1] ملاحظہ ہو شعر العجم، جلد سوم صفحات ۷۵، ۷۹، ۸۱ اور شعر الہند (مصنفہ شیخ اکرام الحق) صفحہ ۹ داستان عشق کے سلسلہ میں ' والہ ' کی عبارت حسب ذیل ہے: " و با شاہزادہ سلیم کہ آخر مسمی بہ جہانگیر بادشاہ گردید خصوصیت و محبت مفرط داشتہ چنانچہ بعضے بہ عشق شاہزادہ متہمش کردہ اند " اور خلاصۃ الافکار میں ابو طالب تبریزی رقمطراز ہیں کہ: " با شاہزادہ جہانگیر و خان خانان اظہار خصوصیت و محبت مفرط می نمود چنانچہ بعضے بہ عشق شاہزادہ متہمش کردند۔ " اور اسی سلسلہ میں مراۃ آفتاب نما میں شاہنواز خاں لکھتے ہیں کہ " حاسدش بہ عشق شاہزادہ سلیم متہم کردند " راقم الحروف کا اس فرضی داستان عشق کے متعلق ایک علیحدہ مضمون لکھنے کا ارادہ ہے۔